اسلام میں حسنِ اخلاق کی فضیلت اور اہمیت

Imprtance & Virtue of Morality in Islam

*ڈاکٹر نور حیات خان

**ڈاکٹر محمد ریاض خان الازہری

ABSTRACT

Mannerism deals with inner-self and or how to achieve goals in life. It brings harmony in physical and spiritual attributes of a person. As Prophet Muhammad (PBUH) was an excellent example due to His apparent and spiritual moral values that is why The Holy Quran and Hadith direct the society and individual to follow Him.

Islam is based on moral values and wishes for a society where people live at individual and community level is having its basis on moral values and spiritualism depicted by the divine teaching. Islamic system preaches good moral values and indicates ways to get saved from ill-mannered behavior. An individual with good moral values reflects good faith and blessings from Allah.

Islam promoted a sense of responsibility and fear of the Day of Judgment with Love to Allah in such a way that all the life of an individual was converted to a prayer. This spirit affected all the aspects of individual and society life.

This article guides us to understand those moral values.

---

* اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز اسلام آباد

** اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ و مطالعہ مذاہب ہزارہ یونیوسٹی مانسہرہ

اخلاق کا لغوی واصطلاحی مفہوم

اخلاق خلق کی جمع ہے جو انسان کی فطری اور طبعی خصلت وعادت کو کہتے ہیں جس کا اظہار انسان سے بلا تکلف ہوتا ہے جیسا کہ علامہ زبیدی نے لکھا ہے: الخلق: السجية[1] "اخلاق طبیعت میں راسخ کیفیت کا نام ہے"۔

جب کہ ابن درید نے اخلاق کو فطرت، عادات اور خصائل کا نام دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

الخلق: الطبيعة، والخلقية، والسليقة [۲]

فرہنگ آصفیہ میں اخلاق کے یہ معنی بیان کئے گئے ہیں:

اخلاق اسم مذکر، خلق کی جمع ہے: ۱۔ عادتیں، خصلتیں۔ ۲۔ خوش خوئی، ملنساری، کشادہ پیشانی سے ملنا، خاطر مدارات اور بھگت۔ ۳۔ وہ علم جس میں معاد ومعاش، تہذیب نفس، سیاست مدن وغیرہ کی بحث ہو[۳]۔

علمی اردو لغت میں اس سے ملتے جلتے الفاظ میں اخلاق کے مفہوم کو یوں بیان کیا گیا ہے:

اخلاق خلق کی جمع ہے: ۱۔ خصلتیں، طور طریقے۔ ۲۔ پسندیدہ عادتیں، اچھے طور طریقے۔ ۳۔ اچھا برتاو، شریفانہ سلوک، مروت۔ ۴۔ فلسفہ، وہ علم جس میں تہذیب نفس، تدبیر منزل اور سیاست مدن یا ان میں سے کسی ایک سے بحث کی جاتی ہے، علم اخلاق یا اخلاقیات کہلاتا ہے[۴]۔

جب کہ انگریزی میں اخلاق کے لئے:

Ethicks, moralaity, politeness, manners, disposition, the good Properties of man kaind, virtues جیسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں[۵]۔

بحث مذکورہ کے مفہوم کی روشنی میں اخلاق سے مراد وہ خصلت، فطرت اور عادتیں ہیں جو انسان کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہوں اور بغیر کسی غور وفکر کے انسان سے صادر ہو رہے ہوں جیسا کہ امام غزالیؒ رقمطراز ہیں:

"فالخلق عبار: عن هيئة في نفس راسخة عنها تصدر الأعمال بسهولة ويسر من غير حاجة إلي فكر وروية"(۶)۔

"خلق نفس کی اس راسخ کیفیت کا نام ہے جس کے باعث اعمال بڑی سہولت اور آسانی سے صادر ہوتے ہیں، ان کے کرنے کے لئے سوچ بچار کے تکلف کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی"۔

بالفاظ دیگر جب انسان کی باطنی کیفیت اور ظاہری اخلاق وعادات ساتھ ساتھ چلیں تو اس کو اخلاق کہتے ہیں جب کہ اس کیفیت کے پیدا ہونے میں تکلیف کو دخل نہ دیا گیا ہو جیسا کہ لسان العرب میں ہے:

"والخلق السجية وهوالدين والطبع والسجية وحقيقته أنه لصورة الإنسان الباطنة وهي نفسه وأوصافها ومعانيها المختصه بمنزلة الخلق لصورتهاالظاهرة وأوصافها ومعانيها " (٧)۔

"یعنی خلق کا معنی فطرت اور طبیعت ہے: انسان کی باطنی صورت کو مع اس کے اوصاف اور مخصوص معانی کے خلق کہتے ہیں جس طرح اس کی ظاہری شکل وصورت کو خلق کہا جاتا ہے"۔

ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں کہ:

"انسان کے مجموعی اعمال کا نام اخلاق ہے اور خلق یا اخلاق کا اطلاق ان ہی عادات واعمال پر ہو گا جو پختہ ہوں اور جن کا صدور بلا تکلف ہو"(٨)۔ اس لئے امام جرجانی نے اخلاق کی یہ تعریف کی ہے:

"خلق یا اخلاق نفس کی اس پختہ حالت کا نام ہے جس سے اچھے یا برے افعال بغیر کسی غور وفکر کے سرزد ہوں" (٩)۔

چونکہ آپ ﷺ اپنے ظاہری وباطنی اخلاق وخصائل کے لحاظ سے دنیا کا بہترین نمونہ تھے یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اس کی تصدیق ان الفاظ میں کی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (١٠)

اور جب حضرت عائشہ صدیقہؓ سے آپ ﷺ کے اخلاق، اطوار اور مزاج کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؓ نے جواباً کہا: أَلَيْسَ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنُ (١١)۔

گویا کہ آپ ﷺ قرآن کے چلتے پھرتے اعلی نمونہ تھے یہی وجہ ہے کہ دنیا اس اخلاق کریمانہ شخصیت کے ساتھ وارفتگی کا تعلق رکھتی ہے اور قرآن نے اس کو ان الفاظ میں یاد کیا ہے:

﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾ (١٢)۔

"اگر تم بدگو اور سخت دل ہوتے تو یہ سب لوگ تمہارے ارد گرد سے تتر بتر ہو جاتے"۔

عبد اللہ بن مبارکؒ حسن اخلاق کے بارے میں فرماتے ہیں:

" اس سے مراد یہ ہے کہ خندہ پیشانی سے پیش آنا، بھلائی کے کام کرنا اور اذیت سے رک جانا ہے " (١٣)۔

اسلام کا مجموعی نظام اس تصور کا داعی اور اس پر عامل ہے۔

اسلام میں حسن اخلاق کی اہمیت:

اسلام کی بنیاد اخلاق حسنہ پر ہے اور ایک ایسا معاشرہ قائم کیا ہے جس میں انفرادی اور معاشرتی زندگی کی بنیاد ان خدائی تعلیمات پر ہے جو اخلاقیات اور روحانیات کی مستقل بنیادوں پر قائم ہے نہ کہ مادی اور دنیوی مفادات پر۔ اس طرز عمل کے نتیجے میں چاہے دنیوی مفاد حاصل ہو اور چاہے وہ برباد ہو جائے، اولین حیثیت خدائی ہدایت کو حاصل ہے نہ کہ مادی مفادات کو(١٥)۔

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی رسالت کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ حُسْنَ الْأَخْلَاقِ (١٦)۔ جبکہ کنز العمال میں اس مقصد کو مزید واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

اِنَّمَابُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ (١٧)اور بیہقی میں صَالِحَ الْأَخْلَاقِ کے الفاظ آئے ہیں(١٨)۔

نبی مہربان ﷺ کے اخلاق حسنہ کو اللہ نے اپنی رحمت قرار دیا ہے، فرمایا:﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾(١٩)

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کو معاملات زندگی کو احسن طریقے سےHandle کرنے کا حکم دیا گیا ہے فرمایا:﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ (٢٠) "اچھے طریقے سے جواب دو یا اپنا دفاع کرو"۔

حسنِ اخلاق سے مزین لوگوں کی توصیف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (٢١)۔

"اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی فحش کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً اللہ انھیں یاد آجاتا ہے اور اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں کیونکہ اللہ کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کر سکتا ہو اور وہ دیدہ ودانستہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے"۔

اور خصوصیت سے اللہ نے اپنے نیک بندوں کو ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

﴿ وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا﴾ (٢٢)۔

"رحمان کے (اصلی) بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں اور جاہل ان کے منہ آئیں تو کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام"۔ اس سورۃ (الفرقان) کی آیات ٦٣ سے لیکر٧٧ میں اللہ نے حسن اخلاق کی ایک فہرست دے کر فرمایا کہ میرے نیک بندے ان کے حامل ہوتے ہیں:

"وہ زمین پر نرم چال چلتے ہیں جاہلوں سے گالی گلوچ اور منہ ماری نہیں کرتے، عبادت گزار ہوتے ہیں، اللہ کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں، خرچ میں میانہ روی کرتے ہیں، نہ شرک اور نہ قتل کرتے ہیں اور نہ زنا کے پاس جاتے ہیں، نیک عمل کرتے ہیں اور جھوٹی گواہی نہیں دیتے، لغویات وعبثیات پر سے شریفوں کی طرح گزرتے ہیں اور نصیحت آموز باتوں پر سے اندھے ہو کر نہیں گزرتے، نیک اور صالح لوگوں میں شمولیت کے لئے اللہ سے درخواست گزار رہتے ہیں"۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان کی مزید کچھ مکارم اخلاق ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ﴾ (٢٣)

"کہ وہ بڑے (کبیرہ) گناہوں اور بے حیائی کا ارتکاب نہیں کرتے بلکہ غصہ کو پی کر معاف کرتے ہیں"۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو ہر کام میں حسن اخلاق کو ملحوظ خاطر رکھنے کا حکم دیا اور مکارم اخلاق کا رتبہ سمجھایا ہے۔

اسلام میں حسن اخلاق کا رتبہ:

1۔ آپ ﷺ نے فرمایا: إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ [۲۴]۔

"یقیناً مومن حسن خلق سے وہ درجہ پاسکتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر عبادت کرنے سے حاصل ہوتا ہے"۔

جب کہ امام بیہقی نے شعب الایمان میں بروایت عائشہؓ حسن اخلاق کا رتبہ ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:

2۔ اِنَّ الرَّجُلَ لَيُدْرِکُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَاتِ قَائِمِ اللَّيْلِ صَائِمِ النَّهَارِ [۲۵]۔

"بے شک انسان حسن خلق سے وہ درجات حاصل کرسکتاہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر عبادت کرنے سے حاصل ہوتاہے"۔

حسن اخلاق آپ ﷺ کی محبت اور قرب کے حصول کا ذریعہ:

آپ ﷺ نے حسنِ اخلاق کو محبت رسول اور قرب کے حصول کا ذریعہ ان الفاظ میں قرار دیا ہے:

اِنَّ مِنْ اَحَبِّكُمْ اِلَيَّ اَحْسَنُكُمْ اَخْلَاقًا [۲۶]۔ "تم میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں"۔ جبکہ ایک اور حدیث میں اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں حسنِ اخلاق کو اپنانے والے کے لئے اپنے ساتھ ہم جلیس ہونے کی خوش خبری ان الفاظ میں فرمائی ہے: اِنَّ مِنْ اَحَبِّكُمْ اِلَيَّ وَاَقْرَبِكُمْ مِنِّيْ مَجْلِسًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ اَحَاسِنُكُمْ اَخْلَاقًا [۲۷]۔ "تم میں سے میرا سب سے زیادہ محبوب اور آخرت میں نشست میں مجھ سے قریب تر وہ ہیں جو تم میں خوش خلق ہے"

علاوہ ازیں آپ ﷺ نے حسن اخلاق کو کامل ایمان کی علامت قرار دیا ہے ارشاد ہے:

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ اَخْلَاقًا [۲۸]۔ "مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کا خلق سب سے اچھا ہے"۔ اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ نے مکارم اخلاق کو اللہ کا بہترین ہدیہ گردانا ہے۔ ارشاد ہے:

خَيْرُ مَااُعْطِيَ النَّاسُ خُلُقٌ حَسَنٌ [۲۹]۔ "لوگوں کو اللہ کی طرف سے جو کچھ عطا ہوا ہے اس میں سب سے بہتر تحفہ حسن خلق ہے"۔

حسن اخلاق اور میزان حسنات:

حسنِ اخلاق جو ایک عطیہ ربانی ہے، اس کو اپنانا نہ صرف دنیا کے اندر بہتری کا ذریعہ اور کاروبارِ زندگی میں کامیابی کا وسیلہ بھی ہے ، آپ ﷺ نے اسے میزانِ حسنات میں بھاری ہونے کا بھی سبب قرار دیا ہے:

مَامِنْ شَيْئٍ يُّوْضَعُ فِي الْمِيْزَانِ اَثْقَلَ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ [۳۰]۔

"میزان حسنات میں حسن اخلاق سے بھاری کوئی چیز نہیں"۔

ڈاکٹر خالد علوی مرحوم رقمطراز ہے کہ :

" ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کی میزان میں حسن اخلاق سے گراں کوئی چیز نہیں، معلم اخلاق نے حسن اخلاق کی فضیلت اور اہمیت کو مختلف طریقوں اور متنوع پیرایوں میں بیان کیا ہے "(۳۱)۔

ایک اچھے اخلاق کے مالک کی یہ صفات عام طور پر بیان کی جاتی ہیں:

"یہ کہ وہ حیادار ہو، ایذا نہ دینے والا ہو، نیک کام کثرت سے کرے، سچی زبان والا، کم گفتار، بہت عمل والا جس کی لغزشیں کم ہوں، بے فائدہ کام نہ کرے، تعلقات جوڑنے والا، وقار و عزت کا مالک، صبر کرنے والا، قدردان، راضی رہنے والا، حلیم الطبع، وفادار، رذائل سے خود کو بچانے والا، لعنت نہ کرنے والا، گالی گلوچ نہ کرے، چغل خوری نہ کرے، غیبت نہ کرے عجلت پسند نہ ہو، کینہ و بغض نہ رکھے، بخیل نہ ہو، حسد نہ کرے اور ہشاش بشاش رہنے والا ہو اور اس کی محبت و بغض، رضا و ناراضگی اللہ کے لئے ہو(۳۲)۔

کسی نے یوں کہا ہے:

"خوش خلق وہ آدمی ہے کہ کثیر الحیاء، کثیر الصلاح، کم آزار، کم سخن، کثیر العمل، کم لغزش، راست گفتار، نیکوکار، صاحب وقار، صابر، شاکر، راضی، حلیم، رفیق، پارسا، شفیق اور بشاش ہو، بدگفتار، دشنام طراز، چغل خور، غیبت کنندہ، جلدباز، کینہ پرور، بخیل اور حاسد نہ ہو(33)۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں میں ایک نئے احساس ذمہ داری، ایک جاندار خوف آخرت اور محبت الٰہی کا ایک قوی جذبہ عطاء کیا ہے جس نے اخلاقی زندگی کو تعلق باللہ کے ساتھ ایسا وابستہ کیا کہ ساری زندگی عبادت بن گئی۔ اخلاق و مذہب ایک دوسرے کے معاون اور شریک ہوگئے۔ توحید اور آخرت کے تصور نے نگاہ کو خوردبینی کی وہ صلاحیت بخشی جو نفس کی تاویلات کے پردوں کو چاک کرتے ہوئے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے۔ قرآن مجید نے جو اخلاقی نظام دیا، اس کی مکمل تشریح تو یہاں ممکن نہیں البتہ اس کے **اخلاقی اصولوں** میں سے چند مثال کے طور پر بیان کئے جاتے ہیں۔

۱۔ رضائے الٰہی کا حصول:

روح اسلام کے مطابق حسن خلق کا تعلق ایمان باللہ سے ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن انسان کی بڑی بڑی جانی مالی قربانی کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ﴾ [۳۴]۔

"اور بعض ایسے ہیں جو اپنی جان کو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بیچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بندوں پر مہربان ہے"۔

مالی قربانی اور انفاق کے بارے میں فرمایا:

﴿الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ﴾ [۳۵] "جو اپنی دولت اللہ تعالی کی خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہیں"۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"جو اپنا مال صفائی اور پاکیزگی حاصل کرتے ہوئے دیتا ہے۔ اس پر احسان نہیں ہے جس کو ادا کرنے کے لئے دیتا ہو بلکہ وہ اللہ کی ذات کی طلب کے لئے دیتا ہے" (۳۶)۔

لہٰذا ہر وہ سعی اور جہد جو رضائے الٰہی کے لئے کی جائے، قابل قبول ہے۔ اور ایمان کی علامت ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بات اپنی ایک حدیث شریف میں ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمائی ہے:

مَنْ سَرَّتْہُ حَسَنَتُہٗ وَسَآءَ تْ سَیِّئَتُہٗ فَھُوَ مُوْمِنٌ (۳۷) "جسے نیکی خوش اور برائی غمزدہ کرے وہ مومن ہے"۔

ڈاکٹر خالد علوی مرحوم لکھتے ہیں کہ: "ان احادیث میں نیکی پر انشراح خاطر اور مسرت کی لذت کو ایمان کی پہچان قرار دیا گیا ہے بنیاد نہیں" (۳۸)۔

۲۔ توسط و اعتدال:

اسلام کے بنیادی اخلاقی اصولوں میں سے ایک اہم اصول توسط و اعتدال ہے جو ایک جامع اصطلاح ہے اور تمام معاملات زندگی میں یہ مطلوب ہے۔ توسط و اعتدال، افراط و تفریط کے درمیان چلنے کا نام ہے جیسا کہ امام آلوسی رقمطراز ہے: "إن الله يأمر بالعدل إلىٰ صراط مستقيم، التوسط بين طرفي الإفراط و التفريط و هو رأس الفضائل كلها" (۳۹)۔

اسلام دراصل اعتدال کی راہ کا نام ہے جب کہ دوسرا نام صراط مستقیم ہے جو دو منزلوں کے درمیان سب سے مختصر اور درمیانی راہ ہے جو تمام فضائل کی بنیاد ہے۔ عقائد میں بھی یہ اعتدال مطلوب ہے کیونکہ پچھلی امتیں اس میں افراط و تفریط کے شکار رہیں اس وجہ سے تباہی و بربادی سے دوچار ہوئیں۔ یہود و نصاریٰ کے اس مبنی بر افراط و تفریط کے بارے میں فرمایا:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ﴾(۴۰)

"اور یہودی کہتے ہیں کہ عزیرؑ اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیحؑ خدا کا بیٹا ہے"۔

اس بے اعتدالی کے جواز کے لئے ہر ایک (یہود اور نصاری) نے ابراہیمؑ کی پیروی کا دعویٰ کیا تو اللہ نے دونوں کے دعوؤں کو رد کرتے ہوئے فرمایا:

﴿مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾(۴۱)۔

"کہ ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے نہ ہی عیسائی بلکہ وہ تو یکسو مسلمان تھے"۔

اعتدال پر قائم رہنا انبیاء کا فرض منصبی بتایا گیا ہے اور دوسرے لوگوں کو قسط و اعتدال پر رکھنا اور چلانا ان کی ذمہ داری بتائی گئی ہے۔

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾(۴۲)

" ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا، اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں"

اور آپ ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ اپنی امت کو بے اعتدالی سے منع فرمایا اور قرآن مجید کے ذریعے لوگوں کو اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ وہ اپنے دشمن سے بھی بے اعتدالی سے پیش نہ آئے اور ان الفاظ کے ساتھ ان کو خبردار کیا گیا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (۴۳) المائدہ:۵:۸

"اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ ، کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے۔ عدل کیا کرو جو پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے"۔

اسی طرح عبادت میں بھی اسلام اعتدال کو پسند کرتا ہے فرمایا:

﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلاً﴾ (۴۳)

"اور اپنی نماز نہ بہت زیادہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ بہت پست آواز سے، ان دونوں کے درمیان اوسط درجے کا لہجہ اختیار کرو"۔

زندگی کے تقاضوں کو ترک کر دینا، صرف عبادت میں مشغول رہنا اور رہبانیت کی زندگی بسر کرنا اسلام کو مطلوب نہیں اور نہ پسندیدہ طرزِ عمل ہے اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا:

"خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور سب سے بڑھ کر تقویٰ کی پاسداری کرتا ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں، نہ بھی رکھتا ہوں، رات میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں اور نکاح بھی میری سنت ہے، جو میری سنت سے گریز کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں"(۴۴)۔

اسلام کی نظر میں مال قوامِ زندگی ہے اور زندگی میں آرام وآسائش پیدا کرنے کے لئے مال کے خرچ کرنے میں اعتدال مطلوب ہے اور بے اعتدالی کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے، اس لئے مالکِ کائنات نے فرمایا:

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَحْسُورًا﴾ (۴۵)

" اور نہ تو اپنا ہاتھ اپنی گردن میں باندھ لے اور نہ اس کو بالکل کھول دے کہ تو بیٹھ جائے ملامت کا نشانہ بن کر تھکا ہارا " ۔ بلکہ اسلام میں اسراف و تبذیر کے درمیان میانہ روی اختیار کرنے کا پسندیدہ طرزِ عمل اختیار کرنے کو کہا گیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" میرے نیک بندے وہ ہیں جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل بلکہ اس کے درمیان چلتے ہیں "(۴۶)۔

معاشی نظام کو مستحکم کرنے کے لئے جتنی اہمیت طلب رزق اور اس میں اعتدال وقناعت کی ہے اس سے کہیں زیادہ خرچ کرنے میں اعتدال کی روش پر زور دیا گیا ہے اور مطلوب بھی ہے اور فرمان رسول ﷺ سے اس کی اہمیت واضح ہے، جس میں فرمایا: ”خرچ میں اعتدال آدھی معیشت ہے“(۴۷)۔

اسلامی اخلاقیات میں نہ صرف مذکورہ امور میں بلکہ چال ڈھال میں بھی اعتدال پسندیدہ ہے ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ﴾ (۴۸)۔ "اور چل بیچ کی چال "۔

یعنی چلنے میں بھی اعتدال کا طرز عمل اختیار کرو جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو پسندیدہ ہے۔

۳۔خوف ورجاء:

اسلام کے اصولِ اخلاق میں سے ایک یہ ہے کہ انسان امید وخوف کے بیچ وبیچ زندگی بسر کرتا رہے۔اور یہ مومنانہ زندگی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ﴾ (۴۹)۔"وہ ہمیں امید اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہمارے آگے عاجزی کیا کرتے تھے"۔جب کہ دوسری جگہ فرمایا:

﴿ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ﴾ (۵۰)۔"وہ اپنے پروردگار کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں" ۔

مومن کے دل میں یہ دونوں کیفیتیں ہونی چاہیئے؛ گناہوں اور تقصیروں کے موآخذہ اور بازپرس کا ڈر بھی ہو اور اللہ کی رحمت کی امید کا سہارا بھی۔اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرنا اور اس کی رحمت کا امیدوار رہنا یہی اسلام کی تعلیم ہے۔ یہ ڈر اس کو غافل، بیباک اور گستاخ نہیں ہونے دیتا اور یہ امید اس کو مایوس، غمزدہ اور شکستہ خاطر نہیں ہونے دیتی، اعتدال کا یہ رویہ حسن خلق کی بنیاد ہے (۵۱)۔

۴۔عفووانتقام:

جہاں معاشرتی زندگی میں اجتماعی سرگرمیاں ناگزیر ہیں وہاں ناچاقی، اختلاف اور زیادتی کے بھی امکانات موجود ہیں لیکن کہیں اگر عفوودرگزر سے کام لینے کے لئے کہا گیا ہے اور اس پر اجر کا وعدہ فرمایا گیا ہے تو دوسرے کئی موقعوں پر انتقام لینا مناسب اور درست اقدام سمجھا گیا ہے، مثلاً اوّل الذکر کے بارے میں فرمایا:﴿فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُه عَلَي اللهِ اِنَّه لَايُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ (۵۲)

"جس نے معاف کر دیا اور نیکی کی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا"۔

یہ قاعدہ ہر وقت اور ہر جگہ مناصب نہیں ہوتا وقت، جگہ اور حالات کے مطابق بعض اوقات انتقام لیناہی بہتر اور موزون ہو سکتا ہے۔اس دوسرے اقدام کے بارے میں فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى﴾ (۵۳)-"اے ایمان والو! تم پر مقتولوں میں برابری کے بدلے کا حکم ہوا ہے"۔

۵۔ عدل واحسان:

جب اجتماعی زندگی میں عدل واحسان کے رجحانات موجود رہیں گے تو معاشرے کے اخلاقی مزاج کو تقویت دیتے رہیں گے اور معاشرے میں خیر و بھلائی عام ہو گی جو اسلام میں مطلوب ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ﴾ (۵۴)-"بلاشبہ اللہ تعالیٰ عدل کا حکم دیتا ہے"۔

جہاں اللہ تعالیٰ نے بے لاگ عدل قائم کرنے کے لئے اصول وضع کئے وہاں احسان ودرگزر کرنے کا اختیار بھی دیا ہے اگر ایک طرف فرمایا کہ ﴿جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا﴾ (بدی کا بدلہ بدی ہے) تو دوسری طرف یہ بھی فرمایا کہ ﴿وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (۵۵)

"وہ غصہ کو پینے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہوتے ہیں اور اللہ نیکو کاروں کو پسند فرماتا ہے"۔

۶۔ ہمدردی وخیر خواہی:

ہمدردی وخیر خواہی انسانی فطرت کی طرف دعوت ہے اور خدا کے لئے ہمدردی وخیر خواہی تمام اعمال کا محرک اور اسلام کے بہترین اصولِ اخلاق میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کو پسند بھی ہے، ارشاد نبوی ہے:

اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللّٰهِ فأحب الخلق إلى الله من أحسن إلى عياله۔

"مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اور پس اللہ تعالیٰ کو وہ شخص محبوب ہے جو اس کے مخلوق کے ساتھ بھلائی کرتا ہے"۔

جبکہ دوسری جگہ اس سے بھی واضح انداز میں یوں فرمایا ہے:

خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَّنْفَعُ النَّاسَ (۵۶)-"لوگوں میں بہتر وہ ہے جو لوگوں کے لئے فائدہ مند ہے"۔

ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ بذاتِ خود بہت بڑا کارنامہ ہے اس میں ہر قسم کی بھلائی شامل ہے اور یہ انسان کے لئے صدقے کی حیثیت رکھتا ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ (۵۷) "ہر اچھی بات صدقہ ہے"۔

چند اخلاقی اور پسندیدہ صفات:

اسلام میں حسن اخلاق کو ہدیہ ربانی قرار دیا گیا ہے، اپنے ماننے والوں کو خیر وبھلائی کا وریہ اپنانے کا حکم دیا ہے۔ ان اخلاقی اور پسندیدہ صفات میں سے چند ایک کا تذکرہ ضروری ہے، جس سے اسلام کے اہتمامِ اخلاق کا اندازا ہو جائے۔

صبر:

جو انفرادی اور اجتماعی نیکیاں انسان کو مطلوب ہیں ان میں ایک صبر ہے جس کے بارے میں قرآن مجید میں مسلمانوں کو ہدایت دی گئی ہے: ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ " نماز اور صبر سے رب کی مدد مانگو "۔

﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا ﴾ (۵۸)۔"اپنے رب کے فیصلے کا ثابت قدمی سے انتظار کرو کیونکہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں"۔

صبر پیغمبرانہ شان ہے اور آپ ﷺ کی خصوصی صفات میں سے ہے فرمایا:﴿فَاصْبِرْ كَمَاصَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ﴾ (۵۹)"اے نبی آپ بھی اس طرح ثابت قدم رہیں جس طرح پختہ ارادہ والے پیغمبروں نے ثابت قدمی دکھائی "۔پیغمبرانہ شان اور صبر کی سب سے بڑی مثال خود آپ ﷺ کا سفر طائف ہے جس میں اوباش لفنگوں نے آپ کو پریشان کیا اور تنگ ہو کر اور لہولہان ہو کر ربیعہ کے بیٹوں کے انگور کی بیل کے سائے میں بیٹھ کر یہ دعا کی :

اَللّٰهُمَّ اَشْكُوْا ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ ،هَوَانِيْ عَلَي النَّاسِ يَآاَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَاَنْتَ رَبِّيْ اِلٰهٗ مَنْ تَكِلُنِيْ اِلٰي بَعِيْدٍ يَّتَجَهَّمُنِيْ۔

”اے اللہ ! میں تیرے ہی حضور اپنی بے بسی وبے چارگی اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں اے ارحم الراحمین تو ہی سارے کمزوروں کا سہارا ہے اور میرا بھی رب تو ہی ہے، مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے ۔کیا کسی بیگانے کے جو مجھ سے درشتی سے پیش آئے ۔اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کسی مصیبت کی پرواہ نہیں“۔

یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ صبر انبیاء اور اصلاح پسندوں کا ایک لازمی وصف ہے آپ ﷺ نے فرمایا :

" مومن کا معاملہ سراسر خیر پر مبنی ہے اور یہ صورتحال مومن کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں اگر اسے خوشی اور مسرت کا موقع ملے تو شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لئے بہتر (رویہ) ہے اور اگر اسے رنج اور صدمہ پہنچے تو صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہے" (٦١)۔

مومن کے لئے صبر سے بہتر کوئی بھلائی نہیں ہے اور یہ بات آپ ﷺ نے ایک اور حدیث میں یوں فرمائی ہے:

" جو شخص صبر اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے صبر کی قوت عطاء فرماتا ہے اور کوئی شخص بھی صبر سے زیادہ بہتر اور اوسع ترین بھلائی سے نہیں نوازا گیا " (٦٢)۔

سچائی اور راست بازی:

سچائی اور راست بازی ظاہر و باطن کی پوری یکسانیت کا نام ہے جو قول و فعل میں مطلوب اور اسے مومن اور منافق کے درمیان وجہ امتیاز قرار دیا گیا ہے (۶۳)۔ صدق و سچائی اور راست بازی ایک ربانی صفت ہے، ارشادِ باری ہے: ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللهِ حَدِيْثًا﴾ (۶۴) "اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہے ؟"۔

چونکہ اللہ سچا ہے اور اس کا پیغام بھی سچا ہے اور اس کے جو حاملین ہیں وہ بھی لازمی طور پر سچے ہوتے ہیں لہذا صداقت و راست بازی انبیاء کی صفتِ اولین قرار دیا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ابراہیمؑ کو اور ادریسؑ کو﴿ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴾ (۶۵) اور یوسفؑ کو کہا﴿ اَيُّهَاالصِّدِّيْقُ ﴾ (۶۶) "اے بڑے سچے" کے القاب سے یاد کیا گیا ہے اور مومنوں کو بھی اس وصف کے حامل ہونے کی تلقین کی گئی ہے، ارشاد باری ہے :﴿يَآاَيُّهَاالَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوااللهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ ﴾ (۶۷) "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راست بازوں کے ساتھ رہو"۔ اور آپ ﷺ نے صدق و سچائی کو باعثِ نجات قرار دیا ہے:

اِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ اِلَي الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ اِلَي الْجَنَّةِ (۶۸)

"بے شک سچ نیکی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور ایک شخص سچ بولتا ہی رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے ہاں صدیق لکھا جاتا ہے"۔

اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ صدق و راست بازی اسلام میں کس قدر مطلوب ہے بلکہ مومن اسے قرار دیا ہے جو سچا اور راست باز ہو۔

عدل وانصاف:

اسلام نے جن معاشرتی امور پر سب سے زیادہ زور دیا ہے ان میں ایک اخلاقی وصف اجتماعی عدل وانصاف ہے فرمایا:

﴿اِنَّ اللهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ﴾ (۶۹) "بے شک اللہ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے"۔

سب سے بڑا عادل اللہ تعالیٰ ہے کہ اس نے کائنات کو عدل و توازن کے ساتھ قائم کیا ہے فرمایا:

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ (۷۰) " آپ کے رب کی باتیں سچ اور عدل میں پوری ہیں "۔

اور پھر انبیاء کو اس وصف کے ساتھ اس کی تکمیل کے لئے مبعوث فرمایا:

﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾ (۷۱)

"ہم نے اپنے رسول نشانیوں کے ساتھ بھیجے اور ان کے ہمراہ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان عدل کر سکیں"۔

انصاف کے تقاضے پوری کرنے کے لئے اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ خواہ معاملہ کسی دشمن کے ساتھ کیوں نہ ہو۔ ارشاد باری ہے:﴿ یآاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌم بِمَا تَعْمَلُوْن ﴾ (۷۲)

"اے ایمان والو! اللہ کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ عدل چھوڑ دو، عدل کیا کرو کہ یہ تقویٰ کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے خبر دار ہے"۔

یہاں تک کہ اسلام میں باپ کا بدلہ بیٹے سے لینے کی بھی گنجائش نہیں۔ آپ نے فرمایا:

اَلَالَایُحْنیٰ وَالِدٌ عَلٰی وَلَدِہٖ (۷۳)۔ "خبر دار باپ کا بدلہ بیٹے سے نہیں لیا جا سکتا"۔

عدل و انصاف کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ عادل قاضی اور انصاف کرنے والے کے لئے آپ ﷺ نے ان کو عظیم الشان خوشخبری سنائی ہے فرمایا:

اِنَّ الْمُقْسِطِیْنَ عَلٰی مَنَابِرَ مِنْ نُّوْرٍ عَلٰی یَمِیْنَیْنِ الرَّحْمٰنُ الَّذِیْنَ یَعْدِلُوْنَ فِیْ حُکْمِھِمْ وَاَھْلِیْھِمْ وَمَاوَلُّوْا (۷۴)۔

"عدل وانصاف کرنے والے لوگ اللہ کے نزدیک دائیں جانب نور کے منبروں (مسندوں) پر بیٹھے ہوئے ہونگے (یہ ان کا اعزاز ہے) کہ وہ قضاء کے معاملات اور لوگوں کے درمیان انصاف کیا کرتے تھے"۔

حیاء:

آپ ﷺ ایک ایسے معاشرے میں پیدا ہوئے جہاں لوگ حیاء سے عاری تھے رفع حاجت کے لئے میدان میں آمنے سامنے بیٹھ کر باتیں کیا کرتے تھے لہٰذا آپ نے اس سے منع فرمایا کہ ایسا کرنے سے اللہ ناراض ہوتا ہے(۷۵) ۔ صرف یہ نہیں بلکہ آپ نے حیاء کو ایک اخلاقی وصف کے طور پر عام کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلْحَیَآءُ لَایَاْتِیْ اِلاَّبِخَیْرٍ (۷٦)۔ "حیاء سے صرف بھلائی پہنچتی ہے"۔

قرآن وسنت نے فواحش ومنکرات سے جس طرح روکا ہے اور حضور ﷺ نے حیاء کی اہمیت پر جس طرح زور دیا ہے اس سے حیاء اسلام کا ایک مخصوص اخلاقی وصف بن گیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقٌ وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَیَآءُ (۷۷)۔"ہر دین کا ایک خاص خلق ہوتا ہے اور اسلام کا خلق حیاء ہے"۔ الغرض تمام ایسی صفات جو انسان کو زیادہ فعال، زیادہ مفید اور زیادہ کارآمد، خیر کا پیامبر بناتے ہیں، اسلام ان کو اپنانے کی تلقین کرتا ہے۔

اخلاق کی یہ چند مثالیں جو بطور نمونہ پیش کئے ہیں اتنی ہی اہمیت اسلام نے دوسری صفات مثلاً مساوات، اخوت، عفوو درگزر، رواداری، احسان، تقویٰ، ایفائے عہد، عجزوانکساری، صلح جوئی، پاکدامنی، کوشش ومحنت، سخاوت وکفایت شعاری، صفائی وپاکیزگی، اخلاص نیت، توکل علیٰ اللہ، شکر گزاری، صلہ رحمی وغیرہ کو بھی دی ہے۔ان چند مثالوں سے اسلام کا مجموعی مزاج سمجھنے میں یہ مقالہ مددگار ثابت ہوگا(۷۸)۔

حواشی وحوالہ جات

1۔الزبیدی، محمد مرتضی الحسینی: تاج العروس من جواہر القاموس، دارالفکر: بیروت۔۱۹۹۴ء۔۱۳/ ۱۲۴ ۔
2۔الازدی، ابن درید، محمد بن حسن، جمہرۃ اللغۃ، دار صادر: بیروت لبنان۔ ۱/ ۳۴۷۔
3۔دہلوی، سید احمد(مولانا): فرہنگ آصفیہ، اردو سائنس بورڈ: اپرمال روڈ لاہور۔ ۱، ۲/ ۱۲۷، ۱۲۸۔
4۔سرہندی، وارث(ایم اے)، علمی اردو لغت(جامع)، علمی کتب خانہ: لاہور۔۱۹۸۳ء۔ص، ۸۷۔
5۔اردو انگلش ڈکشنری، ص، ۵۱۔
6۔الغزالی، محمد بن محمد، احیاء العلوم، مطبعہ مصطفی۔البابی الحلبی، مصر ۱۹۳۹ء۔ ۳/ ۵۲۔
7۔ابن منظور، محمد بن مکرم(الافریقی)، لسان العرب، دار صادر بیروت، لبنان۔۱۰/ ۸۶۔
8۔علوی، خالد(ڈاکٹر)، خلق عظیم، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۰۵ء۔ص، ۱۴۔
9۔الجرجانی، علی بن محمد بن علی، کتاب التعریفات، دارالکتاب العربی: بیروت، لبنان۔۲۰۰۲ء۔ص، ۸۶، ۸۷۔
10۔سورۃ القلم: ۴۔
11۔القشیری، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، دارالحدیث: قاہرہ، مصر، ۱۹۹۱ء۔حدیث نمبر، ۱۳۹۔
12۔سورۃ آل عمران: ۱۵۹۔
13۔ترمذی، محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، دارالسلام للنشر والتوزیع: الریاض، ۱۹۹۹ء۔حدیث نمبر، ۲۰۰۵۔
14۔محمد اشرف میاں، اسلامی تہذیب واخلاق، فروغ علم اکیڈمی، ۱۷۹ اماڈل ٹاون ہمک اسلام آباد، ۲۰۰۸ء۔
15۔مالک بن انس، موطاء، جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔حدیث، ۸، ۲/ ۳۲۴ ۔
16۔علی المتقی الھندی، کنز العمال، دارالمعرفہ مصر، حیدرآباد دکن۔۳/ ۱۶۔
17۔بیہقی، احمد بن حسین، الامام، شعب الایمان، دار الکتب العلمیۃ۔بیروت لبنان، ۱۹۹۰ء۔ ۶/ ۲۳۱۔
18۔سورۃ آل عمران: ۱۵۹۔
19۔سورۃ فصلت: ۳۴۔
20۔سورۃ آل عمران: ۱۳۴۔
21۔سورۃ الفرقان: ۶۳۔

22۔ سورۃ الشوریٰ:۳۷۔

23۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث: السنن، دارالسلام: ریاض۔۱۹۹۹ء۔ حدیث نمبر ۴۷۹۸۔

24۔ بیہقی، شعب الایمان: ۶/۲۳۷۔

25۔ بخاری، محمد بن اسماعیل (الامام): صحیح بخاری، دارالفکر: بیروت، لبنان۔۲۰۰۰ء۔ حدیث نمبر ۳۷۵۹۔

26۔ ترمذی، حدیث نمبر ۲۰۱۸۔ بیہقی، شعب الایمان:۶/۲۳۴۔

27۔ ابوداؤد، حدیث نمبر ۱۹۸۵۔ بیہقی، شعب الایمان:۶/۲۳۲۔

28۔ ایضاً:۶/۲۳۳۔ شیخ ولی الدین، خطیب تبریزی، مشکوۃ المصابیح (ترجمہ: مولانا محمد صادق خلیل)، مکتبہ قدوسیہ لاہور،۲۰۰۱ء۔ ۴/۱۶۰۔

29۔ ابوداؤد، حدیث نمبر ۴۷۹۹، ترمذی، حدیث نمبر ۲۰۰۲، شعب الایمان:۶/۲۳۹۔

30۔ خلق عظیم، ص،۲۱۔

31۔ منہاج المسلم (مترجم: محمد رفیق اثری)، دارالسلام لاہور،۱۹۹۷ء۔ ۱/۲۴۱۔

32۔ تنویر بخاری، اسلامی اخلاق و تصوف، ایور نیو بک پیلس، اردو بازار لاہور، ص،۲۷۔

33۔ سورۃ البقرۃ:۲۰۷۔

34۔ سورۃ البقرہ:۲۶۵۔

35۔ سورۃ اللیل:۱۸۔۲۰۔

36۔ الھندی، علی بن حسام الدین: کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، موسسۃ الرسالۃ: بیروت۔۱۹۸۱ء۔ ۱/۳۷۔

37۔ خلق عظیم، ص، ۳۶۔

38۔ آلوسی، سید محمد شہاب الدین، روح المعانی، ادارۃ الطباعۃ المصریۃ، ۱۸/۲۱۷۔

39۔ سورۃ التوبہ:۳۰۔

40۔ سورۃ آل عمران:۲۷۔

41۔ سورۃ الحدید:۲۶۔

42۔ سورۃ بنی اسرائیل:۱۱۰۔

43۔ بخاری، کتاب النکاح، حدیث نمبر ۵۰۶۳۔

44 ۔ سورۃ بنی اسرائیل:۲۹۔

45۔ سورۃ الفرقان:۶۷۔

46۔ ہیثمی، علی بن ابی بکر، نورالدین، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، دارالکتب العلمیہ۔ ص،۱۶۰۔ بیہقی، ابو بکر احمد بن الحسین بن علی، الامام، شعب الایمان، باب الثانی والاربعون، مکتبہ دارالباز، عباس احمد الباز، مکۃ المکرمۃ،۱۹۹۰ء، قال المحقق (محمد بن سعید زغلول) فی اسنادہ محیس و حفص مجھولان، حدیث، ۶۵۶۸، ص، ۵/۲۵۵۔

47۔ سورۃ لقمان:۱۹۔

48۔ سورۃ الانبیاء:۹۰-
49۔سورۃ السجدہ:۱۶۔
50۔ خلق عظیم، ص،۴۳۔
51۔ سورۃ الشوریٰ:۴۰۔
52۔سورۃ البقرہ:۱۷۸۔
53۔سورۃ النحل:۹۰۔
54۔ دیکھئے: الشوریٰ:۴۰، آل عمران:۱۳۴۔
55۔دیکھئے: مشکوٰۃ حدیث:۴۹۹۸، بیہقی، شعب الایمان:۶/ ۴۴، دار لکتب العلمیۃ بیروت لبنان ۱۹۹۰ء۔
56۔بخاری، کتاب الادب، حدیث نمبر ۶۰۲۱۔
57۔سورۃ البقرۃ:۴۵،الشوریٰ:۴۸۔
58۔سورۃ الاحقاف:۳۵۔
59۔ابن ہشام، عبد الملک: السیرۃ النبویۃ ،مطبعۃ البابی الحلبی واولادہ: مصر۔۱۹۳۶ء۔ ۲/ ۶۱، ۶۰۔
60۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر ۲۹۹۹۔
61۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، حدیث نمبر ۶۴۷۰، ۱۴۹۶، صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، حدیث نمبر ۱۰۵۳۔
62۔پرفیسر خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات، ص، ۳۹۵۔
63۔ سورۃ النساء:۸۷۔
64۔ سورۃ مریم:۴۱۔
65 ۔سورۃ یوسف:۴۶۔
66۔ سورۃ التوبہ:۱۱۹۔
67۔ صحیح مسلم، باب البر والصلۃ والادب، حدیث نمبر ۲۶۰۷۔
68۔سورۃ النحل:۹۰۔
69۔ سورۃ انعام:۱۱۵۔
70۔ سورۃ الحدید:۲۶۔
71۔سورۃ المائدہ:۸۔
72۔دار قطنی، علی بن عمر (الامام)، سنن الدار قطنی، مع تعلیق شمس الحق عظیم آبادی۔ نشر السنۃ: ملتان۔ ۱۴۲۰ھ۔ ص، ۳/ ۴۵۔
73۔النسائی، احمد بن شعیب: السنن الکبریٰ، تحقیق: عبد الغفار البذاری، دار الکتب العلمیہ: بیروت۔ ۱۹۹۱ء۔
74۔ابو داؤد، حدیث نمبر، ۱۵۔
75۔بخاری، حدیث نمبر ۶۱۱۷۔

76 ۔مالک ابن انس (الامام): موطاء، جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی: الریاض۔۱۹۹۸ء، حدیث۹، ۲/ ۳۲۵۔

* مشکوٰۃ المصابیح: ۴/ ۱۶۳۔

77۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے: محمد جمیل زینو، شمائل محمدی، امام ترمذی، شمائل ترمذی، الفلاح پبلشرز 2008ء۔